نقطۂ نظر

ڈاکٹر عرفان شہزاد

غامدی صاحب کے ڈسکورس میں کلام کا معروضی فہم

امام حمید الدین فراہی نے قرآن فہمی کی دنیا میں کلام کے متن اور نظمِ کلام کے ذریعے سے استدلال کا جو راستہ دکھایا ہے، وہ اپنی نہایت میں انسانی بساط کی حد تک کسی متن کے معروضی حقیقی مفہوم تک رسائی کا محفوظ ترین طریقہ ہے۔ استاذِ گرامی جناب جاوید احمد غامدی نے اس طریقہ کے اطلاقات دکھا کر علوم دینیہ خصوصاً قرآن مجید پر جو کام کیا ہے، وہ ایک غیر معمولی علمی کارنامہ ہے اور اہل علم کی سنجیدہ توجہ کا ہنوز متقاضی ہے۔

اس طریقۂ استدلال کو سمجھنے کے لیے غامدی صاحب کے ڈسکورس سے دو مثالیں پیش کی جاتی ہیں جس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہاں داخلی اور خارجی، زمانی اور روایتی اثرات سے محفوظ رہ کر کس طرح خالص متن کی بنیاد پر کلام سے اخذ واستنباطِ معنی اور استدلال کیا جاتا ہے۔

غامدی صاحب سے ایک مرتبہ یہ سوال کیا گیا کہ مرد کے ساتھ یا مرد کے بجاے اگر عورت کمانے اور مرد اور خاندان پر خرچ کرنے لگے تو کیا اس بنا پر وہ قوامیت میں حصہ دار بن جائے گی یا مکمل قوام قرار پا جائے گی؟ یہ اس لیے کہ قرآن مجید میں عورت پر مرد کی ایک درجہ فضیلت (خواہ یہ انتظامی فضیلت ہی کیوں نہ ہو) کا سبب اُس کا عورت پر اپنا مال خرچ کرنا بیان ہوا ہے۔ نیز، اس صورت میں مہر و طلاق کا حق بھی کیا عورت کو منتقل ہو جائے گا؟ یہ بھی واضح کیا گیا کہ دنیا کے متعدد سماجوں، خصوصاً مغربی سماج میں ایسی صورت حال عملاً وقوع پذیر ہو چکی ہے کہ عورت اور مرد خاندان کے خرچ چلانے میں تقریباً برابر کے حصہ دار ہوتے ہیں اور وہاں مسلم حلقوں میں یہ سوال ایک زندہ مسئلے کی حیثیت سے زیرِ بحث بھی ہے۔

اس پر غامدی صاحب نے قرآن مجید میں سورۂ نساء(۴) کی آیت ۳۴ کے متن کی طرف توجہ دلائی کہ آیت میں مرد کی قوامیت، یعنی سربراہی کا سبب صرف یہ نہیں بتایا گیا کہ وہ اپنا مال عورت اور خاندان پر خرچ کرتا ہے، بلکہ پہلے یہ بتایا گیا ہے کہ اس کو یہ فضیلت خدا نے بخشی ہے۔

اس آیت کی بہتر تفہیم کے لیے اس سے پیش تر ایک آیت کے ساتھ اسے ملا کر دیکھتے ہیں:

وَلَا تَتَمَنَّوۡا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعۡضَكُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ لِلرِّجَالِ نَصِيۡبٌ مِّمَّا اكۡتَسَبُوۡا وَلِلنِّسَآءِ نَصِيۡبٌ مِّمَّا اكۡتَسَبۡنَ وَسۡـَٔلُوا اللّٰهَ مِنۡ فَضۡلِهٖ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمًا. (النساء۴: ۳۲)

”اور جو کچھ اللہ نے تم میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح دی ہے، اُس کی تمنا نہ کرو، (اِس لیے کہ) مردوں نے جو کچھ کمایا ہے، اُس کا حصہ اُنھیں مل جائے گا اور عورتوں نے جو کچھ کمایا ہے، اُس کا حصہ اُنھیں بھی لازماً مل جائے گا۔ (ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی تمنا ہو تو اِس میدان میں آگے بڑھو) اور (اِس کے لیے) اللہ سے اُس کے فضل کا حصہ مانگو۔ یقیناً اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔“ (ترجمہ از البیان)

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

آیت کی تشریح میں غامدی صاحب ”البیان“ میں لکھتے ہیں:

”یہ اِس لیے فرمایا ہے کہ انسان کے لیے جدوجہد اور مسابقت کا اصلی میدان اُس کی خلقی صفات نہیں ہیں، اِس کی وجہ یہ ہے کہ خلقی صفات کے لحاظ سے بعض کو بعض پر فی الواقع ترجیح حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی کو ذہنی، کسی کو جسمانی، کسی کو معاشی اور کسی کو معاشرتی برتری کے ساتھ پیدا کیا اور دوسروں کو اُس کے مقابلے میں کم تر رکھا ہے۔ مرد و عورت کا معاملہ بھی یہی ہے۔ اِس میں زوجین کا تعلق ایک کو فاعل اور دوسرے کو منفعل بنا کر پیدا کیا گیا ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ فعلیت جس طرح غلبہ، شدت اور تحکم چاہتی ہے، انفعالیت اُسی طرح نرمی، نزاکت اور اثر پذیری کا تقاضا کرتی ہے۔ اِس لحاظ سے دیکھیے تو اِن میں سے ہر ایک کو دوسرے پر برتری حاصل ہے۔ اِن میں اگر مسابقت اور تنافس کا رویہ اختیار کیا جائے گا تو یہ فطرت کے خلاف جنگ ہو گی جس کا نتیجہ اِس کے سوا کچھ نہیں نکل سکتا کہ بالآخر دونوں اپنی بربادی کا ماتم کرنے کے لیے باقی رہ جائیں...

ا۔ قوام: سربراہ، غامدی صاحب کے ترجمہ ”البیان“ میں ’قوام‘ کا یہی معنی اختیار کیا گیا ہے۔

(مسابقت کا اصل میدان) اکتسابی صفات، یعنی نیکی، تقویٰ، عبادت، ریاضت اور علم و اخلاق کا میدان ہے۔''
(۴۸۴/۱)

اب آیت زیر بحث دیکھیے:

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ. (النساء ۴: ۳۴)

''(میاں اور بیوی کے تعلق میں بھی اِسی اصول کے مطابق) مرد عورتوں کے سربراہ بنائے گئے ہیں، اِس لیے کہ اللہ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت بخشی ہے اور اِس لیے کہ اُنھوں نے اپنے مال خرچ کیے ہیں۔ پھر جو نیک عورتیں ہیں، وہ (اپنے شوہروں کی) فرماں بردار ہوتی ہیں، رازوں کی حفاظت کرتی ہیں، اِس بنا پر کہ اللہ نے بھی رازوں کی حفاظت کی ہے۔'' (ترجمہ از البیان)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

اس کی تشریح میں غامدی صاحب ''البیان'' میں لکھتے ہیں:

''یہ خاندان کی تنظیم کے لیے اللہ نے اپنا قانون بیان فرمایا ہے۔ خاندان کا ادارہ بھی، اگر غور کیجیے تو ایک چھوٹی سی ریاست ہے۔ جس طرح ہر ریاست اپنے قیام و بقا کے لیے ایک سربراہ کا تقاضا کرتی ہے، اِسی طرح یہ ریاست بھی ایک سربراہ کا تقاضا کرتی ہے۔ سربراہی کا مقام اِس ریاست میں مرد کو بھی دیا جا سکتا ہے اور عورت کو بھی۔ قرآن نے بتایا ہے کہ یہ مرد کو دیا گیا ہے۔ آیت میں اِس کے لیے 'قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ' کی تعبیر اختیار کی گئی ہے۔ عربی زبان میں 'قام' کے بعد 'عَلٰى' آتا ہے تو اِس میں حفاظت، نگرانی، تولیت اور کفالت کا مضمون پیدا ہو جاتا ہے۔ سربراہی کی حقیقت یہی ہے اور اِس میں یہ سب چیزیں لازم و ملزوم ہیں۔ اپنے اِس فیصلے کے حق میں قرآن نے دو دلیلیں دی ہیں...۔'' (۴۸۶/۱)

یہ دو دلیلیں وہی ہیں کہ ایک تو یہ منصب اللہ تعالیٰ نے مرد کو خود بخشا ہے اور اس کی وجہ اس کی خلقی صفات ہیں جو اس منصبِ سربراہی کا تقاضا کرتی ہیں، اور پھر یہ منصب اس سے ذمہ داری کا تقاضا کرتا ہے۔ اور دوسرا یہ کہ مرد عورت اور گھر بار پر اپنا مال خرچ کرتا ہے جو عمومی ضابطہ ہے۔ غامدی صاحب کے مطابق اگر ایک سبب کسی وجہ سے ساکت ہو بھی جائے، یعنی مرد کے بجائے یا مرد کے ساتھ عورت کمانے لگے اور مال گھر بار پر خرچ کرنے لگے)، تو دوسرا سبب، یعنی خدائی فیصلہ، مستقل ہے، اس کو کوئی معطل نہیں کر سکتا۔ اسی سلسلۂ کلام میں

استاذ گرامی نے یہ بھی فرمایا تھا کہ اس مسئلے پر اگر ساری دنیا ایک طرف کھڑی ہو جائے تو میں تنہا اسی تفہیم پر کھڑا رہوں گا۔

آیت کے الفاظ اس قدر قطعی ہیں کہ کسی دوسرے احتمال کو بھی اپنے اندر آنے کی ادنیٰ گنجایش نہیں دیتے۔ آیت میں دو بار 'بِمَا' (بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعۡضَهُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ وَّبِمَآ اَنۡفَقُوۡا مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ) لا کر ہر سبب کو الگ الگ بتایا گیا ہے۔

مرد کی قوامیت کی تشریح میں بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔ تاہم بنیادی بات یہی ہے۔ male کی سربراہی ایک فطری اصول ہے، قرآن مجید نے جس کی تائید و تصویب کی ہے، لیکن اس کے لیے اس نے لفظ 'قوام' کا انتخاب کیا ہے جو سربراہی کی ذمہ داری کا بیان ہے، نہ کہ محض قوتِ اختیار کا، جیسا کہ غامدی صاحب کے نوٹ میں اوپر بیان ہوا۔

اب یہ الگ بات ہے کہ قوامیت کے ان اختیارات میں سے مرد جو اختیار چاہے، عورت کے حوالے کر سکتا ہے، کیونکہ یہ خدا کا کوئی شرعی حکم نہیں کہ مرد کو قوام بننا ہو گا، بلکہ یہ خاندان سے متعلق خدا کے متوازن انتظام کا بیان ہے کہ مرد سربراہ تو فطری اصول پر ہیں ہی، خدا نے انھیں ایسا ہی بنایا ہے، اس کے ساتھ خدا کا شرعی فیصلہ بھی اسی حقیقت کے حق میں ہے۔ اس کے باوجود کوئی مرد اسے اختیار نہیں کرنا چاہتا اور عورت کے حوالے کرنا چاہتا ہے تو اس پر کوئی پابندی بھی نہیں لگائی جا سکتی۔

انسان کو چونکہ عقل و ارادہ کی امتیازی خصوصیات دی گئی ہیں، اس بنا پر وہ اپنی فطرت سے انحراف کی صلاحیت بھی رکھتا ہے۔ مستقل اور ابدی نوعیت کے ایسے معاملات جہاں فطری رہنمائی کے باوجود انسانی عقل ٹھوکر کھا سکتی ہے، ایسے مخصوص میں وحی اس کی رہنمائی کرنے آتی ہے۔ خاندان کی سربراہی کے اس معاملے میں کہ مرد و عورت میں سے خاندان کا سربراہ کون ہو، اس جھگڑے یا مخمصے میں قرآن مجید نے فطرت کی تقسیم کی تصویب کرتے ہوئے مرد کو یہ منصب دینے کا اعلان کیا ہے۔ مستثنیات کا معاملہ الگ ہے۔ قانون عام معاملات کو مد نظر رکھ کر بنایا جاتا ہے۔

مغربی سماج، جہاں عورت کو بڑی حد تک خود مختاری حاصل ہو گئی ہے، وہاں بھی خاندان کے ادارے کی سربراہی مرد کے پاس ہونے کا تصور جدیدیت اور فیمینزم کی تحاریک کے علی الرغم عملاً آج بھی موجود ہے۔ وہ آج بھی مسٹر اور مسز سمتھ ہی کہلاتے ہیں۔ بلکہ فطری طور پر خاندان کی سربراہی کا سوال آتے ہی مرد کی طرف

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ہی نگاہ اٹھتی ہے۔ فیمنیزم خاندان کے ادارے کی مردانہ سربراہی کو بدلنے میں کامیاب ہو بھی گئی تو یہ خاندان کے ادارے کو انارکی سے دوچار کر دے گا۔

دیکھا جا سکتا ہے کہ غامدی صاحب کا یہ موقف دور حاضر میں مرد و عورت کی برابری کے اس جدید تصور کے خلاف کھڑا ہے جس کا غوغا ہے؛ اور جس کے قائل ہمارے ہاں کے لبرل طبقے کے علاوہ بہت سے اہل علم بھی ہوتے جاتے ہیں۔ مگر قرآن کے متن سے یہ تمسک ہی ہے جو غامدی صاحب کے اصول فکر کے ہاں کسی ایسی رائے کو قبول کرنے سے مانع ہے جسے قرآن کے الفاظ قبول نہیں کرتے۔ یہ مغربیت اور جدیدیت کے خلاف غامدی صاحب کا موقف ہے۔

اب دوسری مثال لیجیے۔

سورۂ نور کی آیت خمار کی تفہیم کی بنا پر غامدی صاحب کے نزدیک خاتون کے لیے کسی ایسی محفل یا صورت حال میں جہاں مرد اور خواتین کا آمنا سامنا ہوتا ہے، انھیں اپنی زینت کی چیزیں چھپانے کا حکم دیا گیا ہے، لیکن ان کا سر ڈھانپنا آیت کے مفہوم میں شامل نہیں۔ ذیل میں متعلقہ آیت اور غامدی صاحب کی وضاحت ملاحظہ کیجیے۔ ترجمہ کے خط کشیدہ الفاظ پر غور کیجیے:

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا

''اور ماننے والی عورتوں کو ہدایت کرو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں بچا کر رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کی چیزیں نہ کھولیں، سوائے اُن کے جو اُن میں سے کھلی ہوتی ہیں اور (اِس کے لیے) اپنی اوڑھنیوں کے آنچل اپنے گریبانوں پر ڈالے رہیں۔ اور اپنی زینت کی چیزیں نہ کھولیں، مگر اپنے شوہروں کے سامنے یا اپنے باپ، اپنے شوہروں کے باپ، اپنے بیٹوں، اپنے شوہروں کے بیٹوں، اپنے بھائیوں، اپنے بھائیوں کے بیٹوں، اپنی بہنوں کے بیٹوں، اپنے میل جول کی عورتوں

عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ. (النور ۲۴:۳۱)

اور اپنے غلاموں کے سامنے یا اُن زیردست مردوں کے سامنے جو عورتوں کی خواہش نہیں رکھتے یا اُن بچوں کے سامنے جو عورتوں کی پردے کی چیزوں سے ابھی واقف نہیں ہوئے۔ اور اپنے پاؤں زمین پر مارتی ہوئی نہ چلیں کہ اُن کی چھپی ہوئی زینت معلوم ہو جائے۔ ایمان والو، (اب تک کی غلطیوں پر) سب مل کر اللہ سے رجوع کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔'' (ترجمہ از البیان)

تشریح میں غامدی صاحب لکھتے ہیں:

''یہ مقصد اگر دوپٹے کے سوا کسی اور طریقے سے حاصل ہو جائے تو اِس میں بھی مضایقہ نہیں ہے۔ مدعا یہی ہے کہ عورتوں نے زینت کی ہو تو اُنھیں اپنا سینہ اور گریبان مردوں کے سامنے کھولنا نہیں چاہیے، بلکہ اِس طرح ڈھانپ کر رکھنا چاہیے کہ اُس کی زینت کسی پہلو سے نمایاں نہ ہونے پائے۔'' (۳/۴۳۳)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

آیت مذکورہ کے متن کی اس تفہیم کی بنیاد پر غامدی صاحب یہ قرار دیتے ہیں کہ حکم گریبان اور سینے کو ڈھانپنے کا دیا گیا ہے، سر کو اس میں شامل کرنا اس حکم پر اضافہ شمار ہوگا۔ محض 'خمار' (سر کی اوڑھنی) کے لفظ سے سر ڈھانپنے کا مفہوم اس میں شامل نہیں ہو سکتا۔ لفظ کے مادہ یا اس کی etymology ایک الگ چیز ہے اور حکم لگانا یا اخذ کرنا الگ سے ہوتا ہے۔

اس بات کو ہم ایک مثال سے سمجھتے ہیں۔ (یہ مثال ہم نے اپنے دوست جناب فرحان سید سے مستعار لی ہے)۔

مثلاً اگر یہ حکم دیا جائے کہ کھانے کے بعد رومال سے ہاتھ پونچھ لیا کرو تو اس بنا پر رومال سے منہ پونچھنا بھی فرض نہیں ہو جائے گا کہ رومال کا لفظی مطلب منہ کا کپڑا/چیز (رو: چہرہ، مال: چیز یا کپڑا) ہے، بلکہ منہ پونچھنے کے لیے الگ سے حکم دکھانا پڑے گا۔

یہ الگ بات ہے کہ مسلم تہذیب میں خواتین کا سر ڈھانپنے کا رواج ہمیشہ سے چلا آتا ہے اور اسے معروف دستور کی بنا پر مستحسن سمجھا جاتا ہے، لیکن کیا یہ دین کا مطالبہ بھی ہے؟ اس کی دلیل قرآن کے متن سے حاصل

نہیں ہوتی۔ حکم وہیں تک ہو گا، جہاں تک قرآن مجید کے الفاظ اجازت دیتے ہیں۔

ہر چیز کی اپنی جگہ ہوتی ہے۔ کسی چیز کے مستحسن ہونے کی بنا پر اس کے اپنانے اور قائم رکھنے کی ترغیب تو دی جا سکتی ہے، لیکن اسے دین کے حکم کے طور پر پیش کرنے کا جواز اسی صورت میں دیا جا سکتا ہے، جب دین میں اس کا حکم یا بنائے حکم موجود ہو۔

اس مثال میں غامدی صاحب کے طرزِ استدلال اور اس کے اطلاق کے نتیجے کے معاملے میں بھی دیکھا جا سکتا ہے کہ غامدی صاحب خود جس سماجی پس منظر سے تعلق رکھتے ہیں اور جو ثقافتی روایات وہ خود اپنائے ہوئے ہیں، ان کی یہ راے اس کے برعکس تشکیل پائی ہے اور یہ اسی بنا پر قائم کی گئی ہے کہ قرآن کا متن یہی باور کرتا ہے۔

ان دونوں مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ غامدی صاحب نے اپنے استدلال کے اصولوں کے تتبع میں مغربیت کا اثر قبول کیا ہے اور نہ مشرقی تہذیب کا؛ ان کی ذاتی پسند ان کی راے کو متاثر کر سکی ہے اور نہ کوئی بیرونی دباؤ؛ یہاں تک کہ ان کے اپنے اساتذہ کی راے بھی اس بارے میں انھوں نے قبول نہیں کی۔

یہ ممکن ہے متن کی اس تفہیم پر متن فہمی کے انھی اصولوں کی روشنی میں سوال اٹھا دیا جائے۔ اس صورت میں بھی فیصلہ متن کی روشنی میں ہی ہوگا، نہ کہ فہم اور نتائج پر کسی بیرونی دباؤ یا شخصی میلان کے مفروضات کی بنا پر۔ اس معاملے میں ذاتی یا خارجی محرکات کی سراغ رسانی بے کار کا مشغلہ سمجھا جائے گا۔

رہا معاملہ آیت جلباب کا کہ وہاں عورتوں کو اپنی اوڑھنیاں اپنے اوپر ڈالنے کا حکم دیا گیا ہے جس سے سر، بلکہ چہرے کا پردہ بھی باور کیا جاتا ہے، اسے بھی دیکھ لیتے ہیں۔ آیت کے الفاظ یہ ہیں:

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا. لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَاۤ اِلَّا قَلِيْلًا. مَّلْعُوْنِيْنَ اَيْنَمَا ثُقِفُوْۤا

’’(اِن منافقین کی شرارتوں سے اپنی حفاظت کے لیے)، اے نبی، تم اپنی بیویوں اور اپنی بیٹیوں اور سب مسلمانوں کی عورتوں کو ہدایت کر دو کہ (اندیشے کی جگہوں پر جائیں تو) اپنی چادروں میں سے کوئی بڑی چادر اپنے اوپر ڈال لیا کریں۔ اِس سے امکان ہے کہ الگ پہچانی جائیں گی تو ستائی نہ جائیں گی۔ اِس کے باوجود (کوئی خطا ہوئی تو) اللہ بخشنے والا ہے، اُس کی شفقت ابدی ہے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِیْلًا.

(الاحزاب ۳۳: ۵۹-۶۱)

یہ منافقین اگر (اِس کے بعد بھی) اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے اور وہ بھی جن کے دلوں میں بیماری ہے اور جو مدینہ میں لوگوں کو بھڑکانے کے لیے جھوٹ اڑانے والے ہیں تو ہم اُن پر تمھیں اکسا دیں گے، پھر وہ تمھارے ساتھ اِس شہر میں کم ہی رہنے پائیں گے۔ اُن پر پھٹکار ہو گی، جہاں ملیں گے، پکڑے جائیں گے اور بے دریغ قتل کر دیے جائیں گے۔''

جلباب کیا ہے؟ اس پر مولانا امین احسن اصلاحی ''تدبر قرآن'' میں لکھتے ہیں:

''جلباب' اس بڑی چادر کو کہتے ہیں جو اوڑھنی کے اوپر لی جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس بڑی چادر کے لینے کی ضرورت گھروں کے اندر نہیں پیش آتی تھی، بلکہ شرفاے عرب کی خواتین اس وقت اس کو لیتی تھیں جب انھیں گھروں سے باہر نکلنے کی ضرورت پیش آتی۔ شعراے جاہلیت کے کلام سے یہ بات ثابت ہے کہ شرفاے عرب میں 'جلباب' کا رواج تھا۔'' (۶/ ۲۶۹)

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے عام طور پر یہ اسلوب اختیار فرمایا ہے کہ اس طرح کا حکم دیے جانے کے بعد کہا جاتا ہے کہ ان باتوں پر عمل کرو، تو تقویٰ اور پرہیز گاری حاصل ہو گی وغیرہ، لیکن یہاں یہ نہیں کہا جا رہا ہے، بلکہ کہا جا رہا ہے کہ تم یہ کرو تاکہ تمھیں پہچان لیا جائے اور تمھیں ستایا نہ جائے، یہی اس حکم کا سبب اور علت ہونا واضح طور پر قرار دیتا ہے۔ آیت کے الفاظ نیز سورہ کا نظم کلام واضح طور پر بتا رہے ہیں کہ اس حکم پر عمل کی وجہ اوباشوں کی شرارتوں سے خواتین کو بچانا ہے۔ چنانچہ یہ کوئی مستقل حکم قرار نہیں پاتا، بلکہ دفع ضرر کے لیے سدِّ ذریعہ کا حکم قرار پاتا ہے۔ اس بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اب بھی جہاں ایسا مسئلہ درپیش ہو گا یا ہونے کا اندیشہ ہو گا، ایسے ہی اقدامات کی طرف توجہ دلائی جائے گی۔

اس مقصد کے لیے آیت میں چادریں اوپر ڈال لینے کا حکم ہے۔ یہ حکم اُس دور کی خواتین کو اپنے دور کے رواج اور میسر اسباب کو مد نظر رکھتے ہوئے دیا گیا۔ لیکن اس کی کیا صورت اختیار کی جائے؟ یہ خدا نے طے کر کے نہیں دیا۔ چنانچہ انھوں نے روایات کے مطابق سر اور چہرہ بھی ڈھانپ کر ایک آنکھ کھولنے کا ایک طریقہ

اختیار کیا تھا۔ یہ طریقہ اس آیت کا ایک اطلاق ہے، اس کی تشریح یا مصداق نہیں۔ یہ مقصد اب کسی اور قسم کے لباس یا ذریعہ سے حاصل ہو جائے تو آیت کا مقصد پورا ہو جاتا ہے۔ ہر دور اور ہر سماج کی خواتین اور ان کا سماج اپنے دور کی تہذیب کے لحاظ سے خود طے کر سکتے ہیں۔ اگر ایسے ہی حالات پیش آ جائیں تو وہ لباس میں ایسا کون سا امتیاز اختیار کریں جس سے ان کی شرافت کا اظہار ہو اور اوباشوں کی شرارت سے مانع ہو۔ عملاً ہماری خواتین کر بھی ایسے ہی رہی ہیں، بلکہ پہلے دور کی خواتین سے بھی زیادہ پردہ کرنے کے ذرائع انھیں میسر آ گئے ہیں۔ مثلاً ایک آنکھ تو کیا وہ کالے چشمے لگا کر دونوں آنکھیں چھپا سکتی ہیں۔ دونوں ہاتھ بھی دستانوں میں چھپا سکتی ہیں۔ ان کے اس زیادہ پردے کو دور اول کی خواتین کے پردے کو مد نظر رکھتے ہوئے پردے میں غیر ضروری اضافہ نہیں کہا جا سکتا، کیونکہ مقصد حاصل ہو رہا ہے۔ چنانچہ یہ خاتون اور اس سماج کی ثقافت طے کرے گی کہ کون سا لباس ایسا ہے جس سے عورت کی شرافت کا اظہار ہو۔ اور یہ ہر سماج اور تہذیب کے لحاظ سے مختلف ہو سکتا ہے، کسی دوسری ثقافتی روایت کے حامل کو اس پر معترض ہونے کی ضرورت نہیں، سوائے یہ کہ پردہ کی کوئی ایسی صورت اختیار کر لی جائے جو کسی لحاظ سے صحت کے لیے مضر ثابت ہو۔ اس بحث سے یہ بھی طے ہو جاتا ہے کہ یہ آیت چہرے کے پردے کا کوئی محل قرار نہیں پاتی۔ مرد و خواتین کے ایسے اجتماع گھر میں یا کسی اور محفل میں، جہاں مرد و خواتین کا آمنا سامنا ہو اس میں خواتین کے لیے آداب و احکام کا تعین سورۂ نور (۲۴) کی آیت ۳۱ کرتی ہے۔ جس پر بحث اوپر گزری۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

رہا معاملہ خاتون کے چہرہ یا سر کھلا رہنے سے بد نظری کا، تو یہ اخلاقی معاملہ کسی قانونی دائرے میں نہیں لایا جا سکتا۔ اس کے لیے تو تربیت اور نصیحت ہی کی جا سکتی ہے۔ بد نظری کا یہ معاملہ مردوں ہی کو درپیش نہیں، عورتوں کو بھی پیش آتا ہے۔ ایسی صورت میں کیا مردوں کو یہ حکم دیا جا سکتا ہے کہ وہ بھی اپنا چہرہ چھپا کر نکلا کریں؟ یقیناً نہیں۔ یہ دنیا آزمایش گاہ ہے اور آزمایش کا امکان ہی ختم کرنے کی کوشش غیر عقلی اور غیر فطری ہو گی۔

دیکھا جا سکتا ہے کہ اوباشوں کی حرکتوں کے مقابل خواتین کو گھر بٹھا لینے کی پابندی نہیں لگائی جا رہی، بلکہ پہلے انفرادی سطح پر ایک حفاظتی اقدام اختیار کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ اگلے مرحلے میں ریاستی قوت سے ایسے لوگوں کے خلاف نمٹنے کا عندیہ دیا گیا ہے۔

یہ کسی ایسے سماجی جرم کے خلاف سماج کا ایک مثبت جوابی ردعمل ہے۔ یہاں وہ پالیسی اختیار نہیں کی گئی کہ

متاثرین کو ہی اپنے گھروں میں محصور کر دیا جاتا اور یوں مفسدین کی حوصلہ افزائی ہوتی۔

فکر فراہی میں اس کلام سے اس طرز استدلال کے اصول کیا ہیں اور یہ کیسے کیا جاتا ہے؟ اس کو بھی دیکھ لینا چاہیے:

اس طریقۂ استدلال میں کلام فہمی کے لیے پہلے لفظ کو لے لیا جاتا ہے۔ لفظ کا اس کے لغوی معنی میں نہیں، بلکہ مستعمل معنی پیش نظر رکھا جاتا ہے جو اہل زبان کے ہاں معروف اور رائج ہوتا یا کلام کے صدور کے وقت رائج اور معروف ہوتا ہے۔ اس میں لفظ کی لغوی تحقیق کی غرض اس کے مستعمل معنی تک کے سفر کی تحقیق کے لیے ہوتی ہے۔ پھر لفظ کو جملے میں رکھ کر اس کے متعدد معانی میں سے ایک معروف معنی متعین کیا جاتا ہے، یہ اس لیے کہ لفظ جب جملے میں استعمال ہو جائے اور کلام بھی ابلاغ معنی کے لیے وجود میں آیا ہو نہ کہ ایہام یا احتمال معنی کے لیے (جیسے شاعرانہ کلام) تو وہ اپنے متعدد معانی میں نہیں، بلکہ جملے کی رعایت سے کوئی ایک ہی معنی دینے کے لیے لایا گیا ہوتا ہے۔ ایسے ہی جیسے ہمارے اس مضمون میں استعمال ہونے والے الفاظ کے متعدد لغوی معانی میں سے ہر لفظ کا کوئی ایک متعین معنی ہی راقم کے پیش نظر ہے جسے اس توقع پر لکھا گیا ہے کہ اس کا قاری اس سے وہی مفہوم اخذ کرے گا جو متکلم کا منشا ہے۔ لفظ کے جملے میں معنی کے متعین ہو جانے کے بعد پورے جملے کا مفہوم، نظم کلام، یعنی اس جملے کے سیاق و سباق کی روشنی میں طے کیا جاتا ہے۔ اس طرح کلام اپنے حقیقی مفہوم تک رسائی دے دیتا ہے۔ زندہ زبان ایسے ہی بولی، لکھی اور سمجھی جاتی ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

قرآن مجید کا معاملہ چونکہ یہ ہے کہ اس کے نازل کرنے والے نے اسے ابلاغ معنی کے لیے ہی اتارا ہے اور اس سے مقصود انسانوں کو اعتقادی، فکری اور عملی گم راہیوں اور کوتاہیوں سے بچانا اور ان دائروں میں ان کے درمیان اختلافات کے لیے فیصلہ کن اتھارٹی قائم کرنا تھا، جہاں ان کا علم و عقل کسی نتیجے پر پہنچ نہیں سکتا۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ. (الحدید ۵۷: ۲۵)

''ہم نے اپنے رسولوں کو صاف اور واضح دلائل کے ساتھ بھیجا ہے اور اُن کے ساتھ اپنی کتاب، یعنی میزان نازل کی ہے تاکہ لوگ (حق و باطل کے معاملے میں) ٹھیک انصاف پر قائم ہو جائیں۔''

اس لیے اس میں خداوند تعالیٰ نے یہ مزید سہولت مہیا کر دی کہ اس کلام کو ایک طرف تو معروف اور واضح زبان میں بیان کیا ہے اور دوسرے اپنے معروف اور مبین الفاظ اور جملوں کی مزید توضیح بھی یہ خود کر دیتا ہے اور یوں اس کی زبان سے واقف کسی قاری کے لیے کسی غلط مفہوم کا راستہ پوری قطعیت سے بند کر دیتا ہے۔ اس

طریقۂ استدلال میں پہلے سے کوئی نظریہ قائم کر کے متن کو اس کے مطابق بنانے کی کوئی گنجایش نہیں ہے، بلکہ خالی الذہن ہو کر متن کی حکومت میں داخل ہوا جاتا ہے۔ جتنا ہم متن پر غور کرتے ہیں، درست مفاہیم کے قریب تر ہوتے جاتے ہیں۔

یہ طریقۂ استدلال اپنے آپ میں کسی متن کے معروضی مطالعہ کا حتمی ذریعہ ہے، البتہ اس کے برتنے میں انسانی فہم کی خطا کے امکان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن ایسی غلطی کی اصلاح پھر اسی طریقہ استدلال سے ہی درست کی جا سکتی ہے۔ یعنی متن ہی کی طرف متوجہ کیا جائے گا اور بتایا جائے گا کہ اس کے مطالعہ میں کہاں کوئی چوک ہوئی ہے۔

عجمی علوم میں فلسفہ و منطق کے در آنے سے لے کر اب تک قرآن مجید کے ساتھ یہ حادثہ بار بار پیش آیا کہ مختلف بیرونی فکری، شخصی اور زمانی عوامل، اور رجحانات کے تحت قرآن کو ایک تائیدی، بلکہ تابع کلام کی حیثیت سے پیش کیا گیا اور اسے افکار پریشاں کا ایک طلسم ہوش ربا بنا دیا گیا۔ زبان کو ہی ظنی قرار دے کر کلام فہمی کی راہ ہی مسدود کر دی گئی، جب کہ خود اسی زبان میں مسلسل کلام کر کے یہ باور بھی کیا جاتا رہا کہ ان کا مدعا وہی سمجھا جائے گا جو وہ لکھ رہے ہیں۔

فلسفہ و منطق کی زبان عام زبان نہیں ہوتی۔ ان کے ذریعے سے ایسے کسی کلام کو سمجھنا غیر معقول بات ہے جس کلام نے اس اسلوب میں بات کرنے کا کوئی دعویٰ ہی نہیں کیا۔ نیز اس کی زبان لغت میں موجود اس کے الفاظ کے متعدد معانی کی متحمل نہیں، بلکہ زبان کے عام اسلوب کے مطابق کسی ایک معنی کی تعیین کا تقاضا کرتی ہے جو اس کلام کا خاصہ ہوتا ہے جسے ابلاغ معنی کے لیے صادر کیا گیا ہو۔ نیز زبان ظنی نہیں ہوتی، بلکہ قطعی ہوتی ہے جسے ہم روز مرہ، علم اور قانون کی دنیا میں اسی بھروسے پر برتتے اور لکھتے ہیں کہ اس سے وہی مدعا سمجھا جائے گا جو متکلم کا منشا ہے، سوائے یہ کہ متکلم کا منشا کلام سے ظنیت ہی پیدا کرنا ہو۔

کلام فہمی کا درست طریقہ یہی تھا کہ بساط پر تمام اثرات سے پاک ہو کر خود کلام سے معلوم کیا جائے کہ وہ کیا کہتا ہے۔ فکر فراہی اسی سادہ اصول کی تجدید نو کا نام ہے کہ زبان کو ایک زندہ زبان کی حیثیت سے دیکھا اور سمجھا جائے۔

ہمیں اس وقت کا انتظار ہے، جب ایک علمی ڈسکورس کو اس کے پیش کرنے والے شخص کے محرکات کے بجائے اس کے اصولِ استدلال سے سمجھنے کی بالغ نظری کا دور ہمارے ہاں بھی شروع ہو گا۔ تب ہی علمی مباحث ثمر آور ہو سکیں گے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org